# مملکت اسلامیہ میں تحفظِ جان و مال اور عزت
## (قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ)

محمد سرفراز خالد*

### عظمت انسان:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے پیدا فرمایا اور اُسے اپنی ساری مخلوق پر فضیلت عطا کی۔ انسان کی عظمت وتوقیر کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں چار مختلف اشیاء (انجیر، زیتون، طور سینا اور مکہ مکرمہ) کی قسم اُٹھا کر اعلان فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾(۱)

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر (مکہ) کی، بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں بنایا۔''

انسان اللہ تعالیٰ کی تمام تخلیقات میں سے سب سے معزز اور مکرم تخلیق اس لحاظ سے بھی ہے کہ خالقِ کائنات نے اس میں اپنی روح پھونک کر اسے وہ مقام ومرتبہ عطا فرمایا جو کسی اور مخلوق کے حصہ میں نہیں آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً مِن طِيْنٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِن رُّوحِیْ فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِيْنَ ﴾(۲)

''جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔ تو جب اُسے درست کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گِر جانا۔''

تفسیر احسن البیان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی اس شان وعظمت کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

''یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ اس کے شرف وعظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔''(۳)

### فرشتوں کا اعتراضات کا تجزیہ:

قبل ازیں خالقِ کائنات نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کا ارادہ جب فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا تو انہوں نے اپنی برتر حیثیت کا احساس کرتے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے فرائض منصبی کی احسن طریقہ سے بجا آوری کا یقین دلاتے ہوئے انسانی تخلیق کو ایک اضافی چیز تصور کیا اور ساتھ ہی اپنے خدشات کا اظہار کیا کہ یہ انسان زمین میں نہ صرف فساد برپا کرے گا بلکہ خون ریزی

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

کو اپنا شعار بنائے گا۔قرآن حکیم اس مکالمہ کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ ﴾(۴)

''اور جب آپ کے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، تو انہوں نے کہا: تُو اس (زمین) میں اسے (نائب) بنائے گا جو وہاں فساد کرے اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔فرمایا: بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر دُرمنثور میں فرشتوں کے اس گمان کا کہ ہم آدم علیہ السلام سے برتر حیثیت کے مالک ہیں، کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے آپس میں سرگوشی کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو اُس کے نزدیک ہم سے معزز ہو اور ہم سے زیادہ علم رکھتی ہو۔پس جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی تخلیق فرمائی تو انہیں آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور سجدہ کرانے کی وجہ اُن کی آپس میں کلام تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے افضل نہیں ہیں۔''(۵)

فرشتوں نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ان کی ذرّیت کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا کہ اولادِ آدمؑ زمین میں فساد برپا کرے گی اور خونریزی کرے گی، ان کی تفسیر علامہ ابن کثیر یوں فرماتے ہیں:

''یہ سوال اس حکمت کے معلوم کرنے کے لیے اور راز کے ظاہر کرنے کے لیے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے، تو اب باادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں، تسبیح و تقدیس وتحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے اور پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں۔تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے، کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے فساد کے، پھر بھی اُسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر میں پیدا کر رہا ہوں، انہیں میں ہی جانتا ہوں، تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے، ان میں صدیق اور شہید ہوں گے، ان میں عابد، زاہد، اولیاء، ابرار، نیکوکار، مقربِ بارگاہ، علماء، صلحاء، متقی، پرہیزگار، خوفِ الٰہی، حُبِ باری تعالیٰ رکھنے والے بھی ہوں گے۔ میرے احکام کی بسر وچشم تعمیل کرنے والے، میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک پکارنے والے بھی ہوں گے۔''(۶)

بعد ازاں ربّ العالمین نے آدمؑ کو علم کی دولت سے سرفراز فرمایا اور فرشتوں کے سامنے اس خوبی کا برملا اظہار فرما

کر انسان کی فرشتوں پر فضیلت قائم کردی اور فرشتوں کے لیے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر اُسے مسجودِ ملائک بنا دیا۔

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۷)

''اور اللہ نے آدمؑ کو سب (چیزوں کے) نام سکھا دیئے۔ پھر ان سب (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: تم مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا: تُو پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں سوائے اس کے جو تُو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کو اشیاء کے اسماء سکھانے کے بارے میں علامہ سیوطیؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس کا باعث بھی فرشتوں کا انسان سے زیادہ عالم ہونے کا زُعم تھا:

''فرشتوں نے کہا اگر ہم اس سے افضل نہیں ہیں تو ہم اس سے زیادہ عالم ہیں۔ کیونکہ ہم اس سے پہلے موجود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا اسم سکھا دیا، پس ہر چیز کا نام لیتے تھے۔ پھر ایک اُمت کو اُن کے سامنے پیش کیا گیا۔ فرشتوں سے ارشاد ہوا کہ ان کے نام بتاؤ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ پس وہ توبہ کرنے لگے اور عرض کی پاک ہے تیری ذات، ہم کو کوئی علم نہیں۔'' (۸)

اس صورتحال کا جائزہ لینے سے انسانی ذہن میں سوالات اُبھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اسماء کی معرفت عطا فرمادی اور فرشتوں کو عطا نہیں فرمائی لہٰذا آدمؑ نے اسی معرفت کی بناء پر ان کا اظہار فرشتوں کے سامنے کر دیا۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس کی حکمت یوں واضح فرمائی:

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت آدمؑ نے ان چیزوں کے نام، اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے کی وجہ سے بتائے۔ اگر فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیئے جاتے تو وہ بھی ان چیزوں کے نام بتا دیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کا خمیر متضاد قوتوں کو ملا کر بنایا تھا اس وجہ سے وہ معقولات، محسوسات، متخیلات اور موہومات کے ادراک کی صلاحیت رکھتے تھے اور فرشتوں کو یہ صلاحیت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اشیاء کے حقائق، خواص، اسماء، علوم کے قواعد اور مختلف صنعتوں کے قوانین تعلیم فرمائے۔ پھر فرشتوں کو عاجز کرنے اور اہلیت خلافت سے ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ معصوم ہونے کی وجہ سے تم خلافت کے اہل ہو۔ ہر چند کے فرشتوں نے صراحۃً یہ دعویٰ نہیں کیا تھا، لیکن ان کے کلام سے یہ دعویٰ مترشح ہوتا تھا۔'' (۹)

خالق کائنات نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو جنت میں مہمان کی حیثیت سے عزت وتکریم سے نوازا۔ بعد ازاں جب شیطان کے بہکاوے میں آنے کی وجہ سے جب انہوں نے جنت میں شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا، جس کی بنا پر جنت سے زمین پر نزولِ آدم ہوا۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونک کر انہیں معزز بنایا اور اپنے نائب کی حیثیت سے زمین پر مبعوث فرمایا تھا مگر ذُریت آدم کی باہمی چپقلش اور رقابت نے انسان کو اس کے مقام سے گرا دیا لہٰذا وہ مدتوں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہا۔

## عظمت انسانی کا نبوی منہاج

محسن انسانیت رسول اللہ ﷺ نے بنی نوع انسان کو اس کا حقیقی مقام دلایا اور اسے کفر وضلالت اور غلامی کی زنجیروں سے آزادی دلائی۔ انسانی عظمت واحترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خانہ کعبہ اگر چہ روئے زمین پر ایک بہت مقدس مقام ہے اور تمام مسلمان اس کی عزت وتکریم کو اپنے لیے لازم وملزوم تصور کرتے ہیں۔ مگر محبوب ربّانی ﷺ نے خانہ کعبہ کے طواف کے موقع پر اُس سے مخاطب ہو کر ایک مرد مومن کی عظمت اور حرمت، خانہ کعبہ کی حرمت سے زیادہ قرار دی۔ ارشاد فرمایا:

**" ما اطيبک و اطيب ريحک ، ما اعظمک و اعظم حرمتک و الذی نفس محمد بيده، حرمة المومنِ اعظم عند اللّٰه حرمة منک ماله و دمه،وان نظن بِه الا خيرا " (۱۰)**

" اے کعبہ! تو کتنا عمدہ اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے۔ تو کتنا عظیم اور تیری عزت وحرمت کتنی زیادہ ہے۔ اُس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، مومن کے مال اور خون کی حرمت اللہ کے ہاں تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔"

اسی طرح نبی معظم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبۂ عرفات میں مسلمانوں سے مخاطب ہوئے تو انہیں آپس میں ایک دوسرے کی عزت واحترام اور تحفظِ جان و مال کا درس دیتے ہوئے ان چیزوں کو یومُ الحج، ماہِ ذوالحج اور شہرِ مکہ کی حرمت کی مانند قرار دیا۔

**" ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم عليکم حرام ، کحرمة يومکم هذا ، فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا " (۱۱)**

" بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اُسی طرح محترم ہیں جس طرح تمہارے لیے آج کا دن، تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔"

ایک انسان بظاہر مٹی کا پُتلا نظر آتا ہے لیکن اس کا دل اللہ کا مسکن ہے۔ لہٰذا کسی مسکن کی عزت وتکریم اس کے ساکن کی وجہ سے ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اس راز سے یوں پردہ اُٹھایا ہے:

فلک کو کیا خبر یہ خاک داں کس کا نشیمن ہے
غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی (۱۲)

اسی طرح کسی انسانی دل کی عظمت واحترام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں، ربّ دلاں وچ رہندا

چونکہ دین اسلام، تکریمِ انسان کا داعی ہے اور تمام انسانوں کا بلاتفریق رنگ ونسل اور دین وملت برابری کی بنیاد پر احترام کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ اسلامی ریاست میں بسنے والے تمام غیر مسلم افراد کی عزت واحترام کو بھی مسلمانوں کی عزت واحترام کے برابر تصور کرتے ہوئے انہیں ہر قسم کا جانی

ومالی اورقانونی تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

ابن قدامہؒ حضرت علیؓ کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

**" انما بذلوا الجزیة لتکون دما ؤھم کد مائنا و اموالھم کاموالنا"** (۱۳)

"یقیناً وہ (غیر مسلم شہری) جزیہ ادا کرتے ہیں تا کہ اُن کے خون ہمارے خون کی مانند اوران کے اموال ہمارے اموال کی طرح (محفوظ) ہوجائیں۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی محترم ﷺ کو پوری دُنیائے انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے لیکن آپ ؐ کے لیے بھی کسی انسان کوزبردستی یا مجبوراً مسلمان کرنے کی ہدایت نہیں دی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ صرف اورصرف دین اسلام کا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری دی ہے۔اب ہدایت عطا کرنا یانہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے خواہ کسی کوعطا کرےاور چاہےتو نہ عطا کرے،رسول اللہ ﷺ کواس سے بری الذمہ قرار دیا۔قرآن حکیم میں ارشادربانی ہے:

﴿ وَلَوْ شَاء رَبُّکَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۱۴)

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں وہ سب ہی ایمان لے آتے۔کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعٰلمین ﷺ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا لہٰذا انسانوں کے ساتھ آپ ؐ کی ہمدردی ایک فطری عمل تھا۔لوگوں کا رنج والم میں مبتلا ہونا اُمت کے غم خوار نبی ﷺ کے لیے بوجھل محسوس ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا پریشان ہونا بھی گوارانہیں فرماتا۔علامہ غلام رسول سعیدیؒ لکھتے ہیں:

"چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے اوراس کے لیے بہت جدوجہد کرتے تھے اوران کے ایمان نہ لانے سے آپ سخت رنجیدہ ہوتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پرملول خاطر نہ ہوں کیونکہ جس کے متعلق ازل میں اللہ عزوجل کو یہ علم تھا کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا اُسی کے لیے اللہ تعالیٰ ایمان پیدا کرے گا اور جس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کرے گا وہ اس کے لیے ایمان کو پیدانہیں کرے گا بلکہ کفر کو پیدا کرے گا۔اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار کی بجائے اضطراری طور پران کو ایمان والا بنادے۔" (۱۵)

## آزادیٔ دین وملت:

ایک دوسرے مقام پر تمام انسانوں کے لیے آزادیٔ دین وملت کی ضمانت فراہم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ یوں ارشادفرماتا ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۱۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں،یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح ہوچکی ہے۔"

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ہدایت و گمراہی کی پہچان کروا دی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایمان نہیں لاتا تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اُسے زبردستی اسلام کی طرف راغب کرنا اسلام کی مخالفت کا باعث بن سکتا ہے۔ ابن عباسؓ اس آیت کی توضیح یوں فرماتے ہیں:

''دین اسلام کی حقانیت سب پر ظاہر ہو گئی ہے، اسلام کی حقانیت ایسی نہیں کہ کسی پر مخفی رہ گئی ہو۔ اب اگر یہ قومیں مسلمان نہ ہوں، تو یہ جانیں اور خدا جانے، تم کسی پر جبر نہ کرو۔'' (۱۷)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ یوں وضاحت فرماتے ہیں:

'' لا تکرھوا احد علی الدخول فی دین الاسلام ، فانه بیّن واضح جلی دلائله و براھین، لایحتاج الی ان یکرہ احد علی الدخول فیه '' (۱۸)

''کسی کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو، بے شک یہ (دین) واضح اور نمایاں دلائل و براہین پر مشتمل ہے اور اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی ایک کو بھی اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے۔''

احترام انسانیت کا جو درس دین اسلام نے دیا ہے تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلام ایک ایسے نظام زندگی کی ضمانت دیتا ہے جو نہ صرف اسلام کے پیروکاروں بلکہ غیر مسلم دشمنوں کی عزت و ناموس کے تحفظ کا بھی قائل ہے اور مسلمانوں حکم دیتا ہے کہ انہیں ہر حال میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـــاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَـــعْدِلُوْا ، اِعْدِلُوْا ، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۱۹)

''اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، تم (ہمیشہ) عدل کرتے رہو، وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔''

نظامِ عدل اسلام کی نمایاں خصوصیت ہے جو اُسے تمام دیگر ادیان سے ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ لہٰذا اس بات کا امکان موجود تھا کہ حکومت و امارت کے بل بوتے پر حکمران طبقہ کی جانب سے غیر مسلم دعایا کے ساتھ امتیازی سلوک ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سب کے لیے یکساں عدل و انصاف فراہم کرنے کا درس دیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اب کیونکہ قوت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آ رہا تھا اس لیے انہیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت و سلطنت کے تخت کی مستحق اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ صفتِ عدل سے متصف ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وہ آج نہیں تو کل ضرور اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پرزور طریقہ سے عدل کی ہدایت فرماتا۔'' (۲۰)

اس اسلامی عدل و انصاف اور احترام انسانیت کی ایک بہترین نظیر امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں نظر آتی ہے جب گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے محمد نے اپنی امارت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے کسی غیر مسلم کو ناحق سزا دے دی۔ جب اس واقعہ کی شکایت خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطابؓ تک پہنچی اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ انہوں نے واقعی

ناجائز سزا دی تھی تو حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو بدلہ میں اُس غیر مسلم کے ہاتھ سے سزا دلوائی اور سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

**" متی استعبد تم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرار" (۲۱)**

''تم نے لوگوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا ہے، حالانکہ انہیں ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا۔''

## ذمیوں کے مساوی حقوق:

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست میں بسنے والے افراد کو ہر طرح سے تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت عطا فرمائی ہے تاکہ وہ اپنی زندگیاں اطمینان وسکون کے ساتھ بسر کر سکیں۔ احترام انسانیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا ضمانت ہو سکتی ہے کہ اسلامی ریاست میں موجود غیر مسلموں میں سے کسی فرد کے ساتھ اگر کسی مسلمان کی جانب سے کوئی ظلم و زیادتی ہوتی ہے اور ریاست اُسے انصاف دلانے میں ناکام رہتی ہے تو رحمۃ للعالمینؐ نے اُس مظلوم کی طرف سے وکالت کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔

**" الا من ظلم معاھدا ، او انتقصہ ، او کلفہ فوق طاقتہ ، او اخذ منہ شیاء بغیر طیب نفس ، فانا حجیجہ یوم القیامۃ "(۲۲)**

''خبردار! جس نے کسی **معاھد** (غیر مسلم شہری) پر ظلم کیا یا اُس کا حق مارا، یا اس پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے زبردستی حاصل کر لی، تو قیامت کے دن مَیں اُس (مظلوم) کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔''

ربُ العالمین جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے پیدا فرمایا اور ہر انسان کی زندگی و موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کی عزت وتکریم اور جان و مال کے تحفظ کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم بلاتخصیص مذہب وملت ایک انسانی زندگی کا ناجائز قتل پوری دُنیائے انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے اور اسی طرح کسی ایک جان کا تحفظ پوری انسانیت کے تحفظ کی مانند قرار دیتا ہے۔

**﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾(۲۳)**

''جس نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے بغیر (ناحق) کسی جان کو قتل کیا تو گویا اُس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے اُسے بچایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو بچالیا۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوعِ انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا اور تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اُس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام اور ہمدردیٔ نوع کے جذبہ سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن

ہے۔کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے۔کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔"(۲۴)

علاوہ ازیں قرآن حکیم میں کسی مومن کا ناحق قتل اس سے بھی سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور ایسے قاتل کے لیے جو کسی مومن کو قتل کرے اللہ تعالیٰ کی لعنت اور آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّلَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (۲۵)

"اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کا بدلہ دوزخ ہے۔وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

محسنِ انسانیت ﷺ نے بھی احترام آدمیت کا درس دیتے ہوئے کسی مومن کے ناحق اور ناجائز قتل کو دُنیا کی تباہی و بربادی سے بڑا سنگین جرم اور عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" قتل المومن اعظم عند اللّٰه من زوال الدنیا " (۲۶)

"کسی مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں پوری دُنیا کے زوال و بربادی سے عظیم (جرم) ہے۔"

## انسانی جان کی حرمت:

اسلامی ریاست میں کسی بھی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو ناحق قتل کر دے۔اگر کوئی شخص خدانخواستہ اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو انسانی جان کی حرمت کے اظہار اور اس جرم کو عوام الناس کے لیے درس عبرت بنانے کے لیے اس قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے تاکہ آئندہ کسی کو اس جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو سکے۔

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی﴾ (۲۷)

"اے ایمان والو! تم پر بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے ان لوگوں کے قتل کا جو (ناحق) قتل کیے جائیں۔آزاد کے بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔"

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے، ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ۔اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے۔اسی طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے۔تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے اس تکبر سے منع کیا اور فرمایا" آزاد کے بدلہ میں آزاد کو، غلام کے بدلہ میں غلام

کو اور عورت کے بدلہ میں عورت کو قتل کیا جائے گا۔'' (۲۸)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ عصر حاضر کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے بھی زمانہ جاہلیت ہی تصور کرتے ہیں کہ آج کے حالات بھی اس دور جاہلیت سے مماثلت رکھتے ہیں۔ انسان خود کو مہذب تصور کرتا ہے مگر اس کا رویہ بدستور غیر مہذب ہے۔ لکھتے ہیں:

''اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے، اُن کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سنتے ہیں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے یرغمالی گولی سے اُڑائے گئے۔ ایک ''مہذّب'' قوم نے اسی بیسویں صدی میں اپنے ایک فرد (سرلی اسٹیک) کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔ دوسری طرف ان نام نہاد مہذب قوموں کی باضابطہ عدالتوں کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ اگر قاتل حاکم قوم کا فرد ہو اور مقتول کا تعلق محکوم قوم سے ہو تو اُن کے جج قصاص کا فیصلہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہی خرابیاں ہیں جن کے سدباب کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل اور صرف قاتل ہی کی جان لے جائے قطع نظر اس کے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون۔'' (۲۹)

عمومی طور پر کسی عضو کے بدلے عضو اور جان کے بدلے جان لینا، جسے اسلام میں قصاص کا نام دیا گیا ہے بظاہر خونریزی اور انسانی جان کا ضیاع معلوم ہوتا ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر بعض نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں اس کے خلاف واویلا کرتی اور شور مچاتی رہتی ہیں۔ دراصل قصاص کے نفاذ کے ذریعہ سے مقصود انسانی جان کی عظمت اور بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری ہے اور قتل کے بدلے قتل میں مقتولین کے ورثا کے لیے دادرسی اور انصاف کی فراہمی بھی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور لوگ بذات خود قتل کا بدلہ لینا شروع کر دیں تو اس طرح قتل و غارت گری کا سلسلہ نسل در نسل چل سکتا ہے اور یوں نسل انسانی کی تباہی و بربادی لوگوں کا مقدر بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص یا بدلہ کے طور پر ایک انسانی جان کے قتل کو دیگر تمام لوگوں کی زندگی کی ضمانت قرار دیا ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (۳۰)

''تمہارے لیے قصاص میں حیات ہے۔ اے عقل مندو! تاکہ تم (خون ریزی) سے بچو۔''

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں:

''اس آیت میں قانون قصاص کی علت و حکمت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی اگر بے گناہ کو قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے۔ لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آ جائیں گے۔ اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و

غارت سے بچ جائیں گی۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کر دی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سزا ظالمانہ اور بہیمانہ ہے۔ مقتول تو قتل ہو چکا، اب اس کے عوض ایک دوسرے آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو کیا ہے۔ آپ خوفناک حقائق کو دلکش عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں، لیکن نہ آپ ان کی حقیقت بدل سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے بُرے نتائج کو رو پذیر ہونے سے روک سکتے ہیں۔ جس ملک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پُرنم ہو جائیں وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ۔''(۳۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس سخت سزا کے پس پردہ مقاصد بیان کرتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین و دنیا کی بھلائی قرار دیتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کو عقل والوں کے لیے عبرت بنایا ہے اور اس میں جاہل اور بے وقوف لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ کتنے لوگ جو اس گھناؤنے فعل (قتل) کا ارادہ کرتے تو اس کو کر گزرتے اگر انہیں قصاص کا خوف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے قتل سے اس قصاص کے ذریعے روک دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم فرماتا ہے اس میں انسان کے لیے دنیا و آخرت کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور جس سے اللہ نے منع کیا ہوتا ہے اس میں یقیناً فساد ہوتا ہے۔''(۳۲)

اس کے باوجود اسلامی ریاست میں مقتولین کے وارثوں کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ کسی قاتل سے قتل کا بدلہ قتل نہیں لینا چاہتے تو اُسے معاف کر دیں اور اگر چاہیں تو مالی معاونت کی صورت میں ''دیت'' وصول کر لیں۔ دونوں صورتوں میں بھی فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے، وارثوں کو جبری طور پر دیت کے لیے راضی کرنا غیر مناسب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''من اصیب بقتل او خبل ، فانه یختار احدی ثلاث : اما ان یقتص ، و اما ان یعفو و اما ان یاخذ الدیة '' (۳۳)

''جس کا کوئی (عزیز رشتہ دار) قتل کر دیا جائے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اُسے ان تینوں میں ایک کام کا اختیار حاصل ہے، چاہے وہ قصاص لے لے، چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو دیت وصول کر لے۔''

قاتل کی طرف سے دیت کی ادائیگی اور مقتول کے وارثوں کے لیے اس دیت کی وصولی انصاف اور معروف طریقہ کے مطابق ہونی چاہیے۔ کسی فریق کے ساتھ دھونس، دھاندلی یا استحصال نہیں ہونا چاہیے اور ایسا کرنے والا فریق اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کا مرتکب ٹھہرے گا اور جو فریق اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا مستحق ٹھہرے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۳۴)

''تو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو بھلائی کے ساتھ مطالبہ ہو اور نیکی کے ساتھ اس کی طرف ادائیگی۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے سہولت اور رحمت ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اس تخفیف ورعایت عطا کرنے میں خالقِ کائنات کی طرف سے مسلمانوں پر خصوصی رحمت ہے۔ تاکہ اگر باہمی رضامندی سے صلح یا دیت کے ادائیگی پر معاملہ طے پا جائے تو اس طرح دونوں فریقوں کے درمیان پھر سے تجدید تعلقات ہو سکتے ہیں۔ پیر کرم شاہؒ فرماتے ہیں:

''من اخیه'' کا لفظ بڑی شان رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے۔ محبت، پیار، رحم اور شفقت کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ عداوت اور انتقام کی آگ بڑھکنے لگی ہے۔ قرآن مقتول کے عضب ناک وارثوں کو یاد دلاتا ہے کہ قاتل مجرم ہے، قصوروار ہے اور تمارا غصہ بے جا نہیں۔ تاہم تمہارا اسلامی بھائی تو ہے۔ اگر بخش دو، معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑ جائیں۔ اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اُسے پھر سے سی لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کلام کی یہی لطافتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا۔ مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا اب اُس سے خون بہا اس احسن طریقہ سے طلب کرو کہ اُسے تکلیف نہ ہو۔ اور قاتل کو ہدایت فرمائی کہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی، جلدی جلدی خون بہا ادا کرے۔'' (۳۵)

## مسلم وغیر مسلم کے لیے قصاص میں برابری:

انسانی زندگی کی تکریم واضح کرنے اور اسلامی قوانین کے حقیقی نفاذ کے لیے امت کے غم خوار نبی ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی قصاص و دیت کے احکام صادر فرمائے۔ عہد رسالت میں اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کو قتل کر دیا تو اس مقتول کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا گیا تاکہ عامۃ الناس کے لیے ایک مقام عبرت ہو اور آئندہ کسی کو ایسے قبیح فعل کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو سکے۔

**'' ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الکتاب ، فرفع الی النبیؐ فقال رسول اللہؐ انا احق من وفی بذمته ، ثم امر به فقتل '' (۳٦)**

''مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے اہلِ کتاب کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مَیں غیر مسلم شہریوں کے حقوق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ لہٰذا آپؐ نے (اس مسلمان قاتل کو بطور قصاص قتل کرنے کا) حکم فرمایا اور اسے قتل کر دیا گیا۔''

اسلامی مملکت میں قیام پذیر غیر مسلم چونکہ جزیہ کی ادائیگی کرتے ہیں جس کی بنا پر انہیں اسلامی مملکت میں تمام بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی سربراہِ مملکت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ذمیوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو کسی بھی

مسلمان فرد کو حاصل ہوتے ہیں۔حضرت علیؓ کے درج ذیل قول سے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

"من كان له ذمتنا ، فدمه كدمنا ، و ديته كديتنا" (۳۷)

"جو کوئی غیر مسلم ہماری رعایا میں سے ہے، اس کا خون ہمارے خون کی مانند ہے اور اس کی دیت بھی ہماری دیت کی طرح ہے۔"

اسلامی مملکت میں انسانی زندگی کی عزت وتکریم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی مانند اگر کسی غیر مسلم معاہد کو بھی قتل کیا جائے تو قاتل کے لیے دُنیا میں ذلت ورسوائی کے علاوہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی مقدر ہوتی ہے۔رسول معظمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما" (۳۸)

"جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک محسوس کی جائے گی۔"

عمومی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ماضی میں ہونے والی جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں انسانوں، جن میں بوڑھے، بچے اور خواتین شامل ہیں، بے دریغ قتل کیا گیا اور آج کل بھی سامراجی طاقتیں اسی مفروضے پر عمل کرتے ہوئے ہزاروں انسانی جانیں تلف کرنا اپنا استحقاق سمجھتی ہیں۔اسلام نے جہاں زندگی گذارنے کے دیگر بہت سے سنہری اصول وضع کیے ہیں وہاں حالت جنگ میں بھی مجاہدین اسلام کے لیے ایسے قواعد وضوابط متعین فرمائے ہیں جن کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔نبی رحمت ﷺ نے محارب افراد کے علاوہ کسی دوسرے فرد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔حضرت انسؓ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں:

"ولا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا ولا صغيرا ولا امراة" (۳۹)

"کسی کمزور بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ شیر خوار بچے کو، نہ نابالغ کو اور نہ کسی خاتون کو۔"

اسی طرح دیگر غیر محارب افراد جن میں عبادت گاہوں میں قیام پذیر افراد اور مذہبی راہنماؤں کے قتل کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔فرمانِ رسول ﷺ ہے:

"لا تقتلوا اصحاب الصوامع" (۴۰)

"کلیساؤں کے متولیوں (یعنی پادریوں) کو قتل نہ کرنا۔"

خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں مجاہدین اسلام کو مخاطب ہوتے ہوئے دیگر نصائح کے ساتھ ساتھ مفتوح علاقوں میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرنے اور وہاں مقیم پادریوں کے قتل وغارت سے بھی سختی سے منع فرمایا:

"الا ! لا يقتل الراهب في الصومعة" (۴۱)

"خبردار! گرجا گھر میں کسی پادری کو قتل نہ کیا جائے۔"

نبی کریم ﷺ بھی جب کوئی اسلامی لشکر کسی مہم جوئی کے لیے روانہ فرماتے تو اُسے احترام آدمیت اور اسلام کے

اخلاقی اصولوں کی پاسداری کی بھرپور تلقین فرماتے تاکہ ان مفتوح علاقوں کے محکوم افراد کے دلوں میں اسلامی لشکر اور دین اسلام کے بارے میں اچھے نقوش ثبت ہوسکیں۔جس کے باعث وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہوں اور دائرہ اسلام میں شمولیت کو اپنے لیے باعث نجات وسکون تصور کریں۔ارشاد مصطفیٰ ﷺ ہے:

” ولا تغورن عيناً ، ولا تعقرن شجرة الا شجرا يمنعكم قتالا ، ولا تمثلوا بادمی ولا بهيمه ولا تعدروا ولا تغلوا “ (۴۲)

”چشموں کو خشک وویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی دوسرے درخت کو نہ کاٹنا، کسی انسان اور کسی جانور کا مُثلہ نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور چوری وخیانت نہ کرنا۔“

اسلام نے احترام آدمیت کا درس دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ کسی قوم یا علاقہ پر فتح ونصرت حاصل کرنے کے بعد وہاں مقیم غیر محارب افراد کے ساتھ کسی قسم کی جنگ یا زیادتی ممنوع ہے۔اس سلسلہ میں سیرت النبیؐ ہمارے لیے بہترین مشعل راہ ہے۔جب فتح مکہ کے موقع پر رحمۃٌ للعٰلمین ﷺ کی طرف سے کفار مکہ کے لیے عام معافی کے اعلان فرمانے کے ساتھ ساتھ اُن تمام افراد کے لیے امان عطا فرمائی گئی جو لشکر اسلام کے ساتھ نبرد آزما نہ ہوں۔اس سے بڑھ کر انسانی تکریم کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

” من دخل دار ابی سفيان فهو امن ، ومن القى السلاح فهو امن ، ومن اغلق بابه فهو امن “ (۴۳)

”جو کوئی شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اُسے امان ہے، جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے امان ہے اور جو شخص اپنے گھر کے دروازے کو بند کرلے اُسے بھی امان ہے۔“

## خودکشی کی ممانعت:

درحقیقت خالقِ کائنات نے انسان کو کمزور اور ناتواں پیدا کیا ہے۔اس دُنیا میں جو کہ ایک دارالعمل ہے، زندگی بسر کرتے ہوئے انسان کو مختلف مسائل ومصائب کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔جن میں سے بعض مصائب تو اللہ کی طرف سے انسان کی آزمائش کے لیے ہوتے ہیں۔لہٰذا جو انسان ان مصائب وآلام کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے اور پریشان ہوکر خودکشی کی طرف مائل نہیں ہوتا بلکہ دل میں پختہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا میں اس صبر واستقامت کا بہترین اجر اسے آخرت میں ملے گا جو کہ دارالجزاء ہے تو ایسے صابر وشاکر انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی بشارت دیتا ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ. وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ٠ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ. قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٠ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ . وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴾ (۴۴)

”اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تھوڑے سے ڈر اور بھوک سے اور تمہارے مال وجان اور پھلوں کی کمی سے۔اور خوش خبری سنادیجئے ان صبر کرنے والوں کو، کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ

کی جانب سے بکثرت درود اور رحمت ہیں اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

یقیناً انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ امانت اور نعمت ہے لہٰذا انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ دُنیا میں اپنی زندگی صبر اور شکر کے ساتھ بسر کرے اور پیش آمدہ مصائب و آلام پر اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرے۔ بعض اوقات کچھ افراد جو اِن مصائب پر بے صبری اور عدم برداشت کی وجہ سے خودکشی یا جان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے اس بھیانک عمل پر انہیں آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" الـذی یطعن نفسه انما یطعنها فی النار ، و الذی یتقحم فیها یتقحم فی النار ، والذی یخنق نفسه یخنقها فی النار " (۴۵)

''جو شخص کوئی چیز چبا کر اپنی جان ختم کر لیتا ہے تو وہ دوزخ میں بھی اسی طرح خود کو ختم کرتا رہے گا، جو شخص اپنی جان کو گڑھے میں پھینک کر ختم کرتا ہے تو وہ دوزخ میں بھی ایسا ہی کرتا رہے گا، اور جو شخص اپنی جان کو پھانسی کے ذریعے ختم کرتا ہے تو وہ دوزخ میں بھی ایسا ہی کرتا رہے گا۔''

رحمۃ للعلمین ﷺ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کفار و مشرکین کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا سلوک فرماتے، لیکن خودکشی ایسا ناپسندیدہ اور بدترین جرم ہے کہ ایک صحابی جس نے خود کو نیزے سے ہلاک کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرما دیا:

" اتی النبیؐ برجل قتل نفسه بمشا قص ، فلم یصل علیه " (۴۶)

''نبی کریمؐ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے اپنے آپ کو نیزے سے قتل کر لیا تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسان کو اپنی زندگی کی حفاظت کرنے کا درس دیا ہے اور خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے خواہ اس کا طریقہ و انداز کوئی بھی ہو۔

﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ﴾ (۴۷)

''اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ اس آیت کی تفسیر میں مختلف معانی و مفہوم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ اپنے ہاتھوں دیدہ ودانستہ ہلاکت میں نہ پڑو یعنی اتنے خسیس و بخیل نہ ہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ایسے سخی و مسرف کہ تباہ ہو کر اپنے معاش سے بھی تنگ آ جاؤ۔ ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بلا ہتھیار میدان جنگ میں جانا بھی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے، اس سے باز رہو۔ زہر کھا لینا، آگ میں کود پڑنا یہ بھی اپنے ہاتھوں ہلاکت کا شکار ہونا ہے اور شرعاً یہ بھی ممنوع ہے۔ علماء کرام رحمہم اللہ نے اس سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ۔'' (۴۸)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس ہلاکت کے مفہوم میں وسعت محسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قتل نفس سے مراد دوسرے انسان کا قتل ہی نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو قتل کرنا بھی ہے۔ اس لیے کہ نفس، جس کو اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے، اُس کی تعریف میں دوسرے نفوس کی طرح انسان کا اپنا نفس بھی داخل ہے۔ لہٰذا جتنا بڑا جرم اور گناہ قتلِ انسان ہے، اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی ہے۔ آدمی کی بڑی غلط فہمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک اور اپنی اس ملکیت کو باختیارِ خود تلف کر دینے کا مجاز سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ جان اللہ کی ملکیت ہے اور ہم اس کے اتلاف تو درکنار اس کے بے جا استعمال کے بھی مجاز نہیں۔ دنیا کی امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ جس طرح بھی ہمارا امتحان لے اسی طرح ہمیں آخر وقت تک امتحان دیتے رہنا چاہیے۔ خواہ حالاتِ امتحان اچھے ہوں یا بُرے۔'' (۴۹)

## اولاد کو حقِ زندگی:

طلوعِ اسلام سے قبل بعض لوگ مال و دولت کی کمی اور فاقہ کشی کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور یا قتل کر دیتے تھے اور یہ قبیح روایت کسی نہ کسی انداز سے آج تک جاری و ساری ہے۔ اسلام اس بیہودہ عمل سے بھی اجتناب کرنے اور ہر انسانی جان کے تحفظ کا درس دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو خالقِ انسان ہے وہی اس کے رزق اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا بھی ضامن ہے۔ لہٰذا تنگی اور فاقہ کشی کے خوف سے انسان کو اپنی اولاد کے قتل سے باز آ جانا چاہیے۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَ كُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ (۵۰)

''اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک اُن کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ آیت ان معاشی بنیادوں کو قطعی منہدم کر دیتی ہے جن پر قدیم زمانے سے آج تک مختلف ادوار میں ضبطِ ولادت کی تحریک اٹھتی رہی ہے۔ افلاس کا خوف قدیم زمانے میں قتلِ اطفال اور اسقاطِ حمل کا محرک ہوا کرتا تھا۔ اور آج وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منع حمل کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے۔ لیکن منشورِ اسلامی کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کھانے والوں کو گھٹانے کی تخریبی کوششیں چھوڑ کر ان تعمیری مساعی میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کرے جن سے اللہ کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے مطابق رزق میں افزائش ہوا کرتی ہے۔'' (۵۱)

بے شک اگر انسان کا اللہ تعالیٰ پر یقینِ کامل اور مکمل بھروسہ ہو کہ وہی میرا خالق، مالک اور رازق ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اس بندے کے لیے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کے بارے میں بعض اوقات انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

﴿ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ. قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ (۵۲)

''اور اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اُسے کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ رکھا ہے۔''

## عصر حاضر میں انسانی عدم تحفظ:

عصر حاضر میں مسلمانانِ عالم عمومی طور پر اور برصغیر پاک و ہند میں قیام پذیر بیشتر مسلمان خصوصی طور پر قرآن و حدیث کی بنیادی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔ کہیں مذہبی منافرت پائی جاتی ہے اور کہیں نسلی اور علاقائی تعصب کی بنیاد پر مخالفین کو قتل کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات عین اسلام تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشرے میں قتل و غارت اور چوری و ڈاکہ زنی کا بازار گرم ہے۔ لہٰذا لوگ اپنی جان و مال اور عزت کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ دہشت گردوں، ڈاکوؤں اور بھتہ خوروں کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر ملک چھوڑ کر دیارِ غیر میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ حکومت عام لوگوں کو نہ صرف تحفظ دینے میں ناکام ہے بلکہ ساری حکومتی مشنری اپنے تحفظ اور پروٹوکول پر مامور کر رکھی ہے۔ ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہے۔ اغوا برائے تاوان کی وارداتوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور اکثر اوقات تاوان کی عدم وصولی پر بچوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ حکومت کے بعض افراد ان جرائم پیشہ عناصر کی سرپرستی کرتے ہیں یا ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ عدالتیں عمومی طور پر ان کے خلاف کاروائی کرنے سے اجتناب کرتی ہیں کیونکہ انہیں قتل اور اغوا کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ کئی ایک ججوں کو قتل بھی کیا گیا ہے تاکہ دوسرے ججوں کے لیے یہ واقعات باعث عبرت ہوں۔ آج کل بھی لوگوں کے اندر ہوس اور دُنیاوی لالچ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چھوٹی سی بات یا معمولی رقم کی خاطر انسانی جان کو قتل کر دیا جاتا۔ ملزم اگر کبھی پکڑے بھی جائیں تو گواہ پیش ہونے سے ڈرتے ہیں کیوں ملزمان بااثر ہونے کی وجہ سے گواہان کو سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ جس کی بنا پر عدم پیروی کی وجہ سے مقدمہ خارج ہو جاتا ہے اور ایسے افراد رہا ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی مملکت میں حکمران اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور عوام الناس کو ہر طرح کا جانی و مالی تحفظ فراہم کریں۔

اس ساری گفتگو سے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام حضرت آدمؑ کی ذُریت کے لیے بغیر کسی تفریق رنگ و نسل اور دین و ملت سب کے لیے برابری کی بنیاد پر عزت و احترام کا قائل ہے اور تمام انسانوں کی جان کے تحفظ کا درس دیتا ہے۔ کسی بھی فرد کو کسی دوسرے انسان کی زندگی سے (بغیر کسی قانونی جواز کے) محروم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شخص ایسا غیر قانونی کام کرے تو اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ مظلوم کی دادرسی کرے۔ ظالم کے لیے ایسی عبرتناک سزا کا بندوبست کرے کہ نہ صرف ظالم اپنے کیفر کردار تک پہنچے بلکہ اس کی یہ سزا دوسروں کے لیے بھی عبرت کا باعث بن سکے۔

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ التین ۹۵: ۱۔۴

۲۔ ص ۳۸: ۷۱۔۷۲

۳۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان، مترجم: مولانا محمد جوناگڑھی (دارالسلام، لاہور، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء) ص ۱۰۷۵

۴۔ البقرہ ۲: ۳۰

۵۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر، تفسیر دُر منثور (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء) ۱/ ۱۳۸

۶۔ ابن کثیر، ابوالفدا، اسمٰعیل بن عمر بن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۳ء) ۱/ ۱۲۷

۷۔ البقرہ ۲: ۳۱۔۳۲

۸۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر، تفسیر دُر منثور، ۱/ ۱۳۸

۹۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن (فرید بک سٹال، لاہور، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء) ۱/ ۳۵۵

۱۰۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، السنن، (دارالفکر بیروت،) ۲/ ۱۲۹۷، حدیث ۳۹۳۲

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) ۲/ ۶۲۰، حدیث ۱۶۵۴

۱۲۔ اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، کلیات اقبال اُردو (اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۵ء) ص ۵۵۷

۱۳۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، (بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۵ھ)، ۹/ ۱۸۱

۱۴۔ یونس ۱۰: ۹۹

۱۵۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، ۵/ ۴۷۸

۱۶۔ البقرہ ۲: ۲۵۶

۱۷۔ ابن عباس، عبداللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس، مترجم محمد عبدالقتدر قادری، بدایونی (فرید بک سٹال لاہور، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء)، ۱/ ۱۱۶

۱۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ)، ۱/ ۳۱۰

۱۹۔ المائدہ ۵: ۸

۲۰۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۳۹۸ھ) ۱/ ۴۴۸

۲۱۔ ہندی، حسام الدین علاء الدین علی متقی، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، (موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء)، ۲/ ۴۵۵

۲۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، (دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء)، ۳/ ۱۷۰، حدیث ۳۰۵۲

۲۳۔ المائدہ ۵: ۳۲

۲۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن (ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۸ء)، ۱/ ۴۶۴

۲۵۔ النساء ۴: ۹۳

۲۶۔ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الصغیر (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)، ۱/ ۳۵۵، حدیث ۵۹۴

۲۷۔ البقرہ ۲: ۱۷۸

۲۸۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، ۱/ ۶۵۴

۲۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ۱/ ۱۳۸

۳۰۔ البقرہ ۲: ۱۷۹

۳۱۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۳۹۸ھ)، ۱۲۰/۱۔۱۲۱
۳۲۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر، تفسیر دُرمنثور (مترجم: سید محمد اقبال شاہ و شرکاء) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ۴۵۹/۱۔۴۶۰
۳۳۔ عبدالرزاق، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی، المصنف (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ)، ۸۶/۱۰، حدیث ۱۸۴۵۴
۳۴۔ البقرہ ۲: ۱۷۸
۳۵۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ۱۲۱/۱
۳۶۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، (مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمۃ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء)، ۳۰/۸، حدیث ۱۵۶۹۶
۳۷۔ شافعی، محمد بن ادریس، المسند، (دارالکتب العلمیہ بیروت،) ۳۴۴/۱
۳۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ۱۵۵/۳، حدیث ۲۹۹۵
۳۹۔ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد ابی شیبہ الکوفی، المصنف، (مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ)، ۴۸۳/۶، حدیث ۳۳۱۱۸
۴۰۔ ابویعلیٰ، احمد بن علی بن مثنیٰ، المسند، (دارالمأمون للتراث، دمشق، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)، ۵۹/۵، حدیث ۲۶۵۰
۴۱۔ ہندی، حسام الدین علاء الدین علی متقی، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ۴۷/۴
۴۲۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، ۹۰/۹، حدیث ۱۷۹۳۴
۴۳۔ بزار، احمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری، المسند، (موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۱۴۰۹ھ)، ۱۲۲/۲، حدیث ۱۲۹۲
۴۴۔ البقرہ ۲: ۱۵۵۔۱۵۷
۴۵۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ بن محمد شیبانی، المسند، (موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)، ۴۳۵/۲، حدیث ۹۶۱۶
۴۶۔ مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، (داراحیاء التراث العربی، بیروت)، ۶۷/۲، حدیث ۹۷۸
۴۷۔ البقرہ ۲: ۱۹۵
۴۸۔ ابوالحسنات، محمد احمد قادری، سید، تفسیر الحسنات (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء) ۳۳۶/۱
۴۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ۶۱۳/۲
۵۰۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۱
۵۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ۶۱۴/۲
۵۲۔ الطلاق ۶۵: ۳